اپنے اندر قوت مؤثرہ پیدا کریں، پردہ کی روح اور اہمیت نیز خاتمیت محمد ﷺ کی پر معارف تشریح

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۶ ستمبر ۱۹۸۶ء بمقام مونٹریال کینیڈا)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور نے درج ذیل آیت کریمہ کی تلاوت کی:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝ (احزاب:۴۱)

اور پھر فرمایا:

آج کے خطبہ کے لئے میں نے ایک تربیتی مضمون چنا ہے اور گو بظاہر اس آیت کا جس کی میں نے تلاوت کی ہے تربیت سے تعلق دکھائی نہیں دیتا لیکن درحقیقت یہ آیت امت محمدیہ کی تربیت سے ایک بہت ہی گہرا تعلق رکھتی ہے اور اس مضمون کو میں انشاء اللہ اس خطبہ کے دوسرے حصہ میں واضح کروں گا۔

چند دن پہلے ٹورانٹو میں مجلس سوال وجواب کے دوران ایک احمدی بچی نے پردہ سے متعلق سوال کیا۔ وہ بہت مخلص خاندان کی بچی ہے اور خود بھی پردہ کا نہایت عمدگی کے ساتھ اہتمام کرتی ہے اور اس کے بھائیوں کی تربیت بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت ہی اعلیٰ درجہ کی ہے۔ لیکن سوال کی طرز میں کچھ طعن کا کانٹا داخل ہو گیا تھا اور اس کے نتیجہ میں میں نے اس بچی سے ناراضگی کا بھی اظہار کیا اور اسے بتایا کہ اس طرح طعن وتشنیع سے تربیت نہیں کی جاتی۔ لیکن درحقیقت اس بچی نے جو سوال اٹھایا

تھا وہ اپنی ذات میں اس لائق ہے کہ اس پر توجہ کی جائے۔ چنانچہ بعد میں میں نے سوچا کہ آئندہ خطبہ میں اس مضمون پر نسبتاً زیادہ وضاحت سے روشنی ڈالوں گا۔

اس کا سوال یہ تھا کہ پردہ پر جو زور دیا جاتا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ بعض خواتین یہاں جب مشن ہاؤس میں آتی ہیں تو سرڈھانپ لیتی ہیں اور بظاہر یوں محسوس ہوتا ہے کہ کم سے کم پردہ کا ادنیٰ معیار ضرور پورا کر رہی ہیں اور جب باہر بازاروں میں نکلتی ہیں یا اپنے سوشل تعلقات پورا کرنے کے لئے ایک دوسرے کے گھروں میں جاتی ہیں تو نہ صرف یہ کہ پردے کا خیال نہیں کرتیں بلکہ خوب سج دھج کر اور زینت کو ابھار کر باہر آتی ہیں جو پردہ کی روح کے سراسر منافی ہے۔ یہ میں نے اپنے الفاظ میں اس بچی کے سوال کا مفہوم بیان کیا ہے جس میں کچھ طرز میں تلخی پائی جاتی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ گزشتہ چند سال سے میں نے متعدد مرتبہ پردہ کی طرف جماعت کو متوجہ کیا ہے اور اس مضمون پر بڑی تفصیل سے مختلف خطبات میں اور بعض خواتین کے خطابات میں روشنی ڈالی ہے لیکن یہ ایک مضمون ایسا مضمون ہے جو خصوصاً مغربی دنیا میں بار بار یاد دہانی کے لائق ہے۔عورتیں اس مضمون میں بحث کرتے ہوئے دو گروہوں میں بٹ جاتی ہیں۔ایک وہ گروہ ہے جو خود پردہ کا انتہائی پابند بلکہ پاکستانی طرز کا پردہ جو برقع کہلاتا ہے۔ برقع اور بھی کئی قسموں کا ہے مثلاً افغانستان میں بھی برقع ہے،عربوں میں بھی برقع کا رواج ہے،ترکی میں بھی برقع کا رواج ہے لیکن میں جس برقع کی بات کر رہا ہوں وہ پاکستانی برقع ہے۔تو ایسی خواتین بھی ہیں جو پاکستانی طرز کے پردے اور برقع میں ملبوس پوری طرح احتیاط کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرتی ہیں اور اس بات سے بالکل قطع نظر کہ وہ کس ملک میں رہ رہی ہیں جس پردے کو سچا پردہ سمجھتی ہیں اسے اختیار کرتی ہیں اور کچھ ایسی خواتین ہیں جو پردہ سے باہر نکلنے کے آخری کنارے پر کھڑی رہتی ہیں اور جب ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو بعض ان میں سے برقع بھی سلوا لیتی ہیں۔ جب نصیحت میں کچھ دیر ہو جاتی ہے تو برقعے اتر کر پھر چادریں سروں پر آجاتی ہیں۔ جب کچھ اور دیر ہو جاتی ہے تو چادریں سرکنے لگتی ہیں اور بے احتیاطی بڑھنے لگتی ہے۔تو ایسی بین بین کیفیت میں وہ زندگی گزارتی ہیں کہ ان کا دل پردے پر مطمئن نہیں ہوتا اور وہ یہ سمجھتی ہیں کہ جس سوسائٹی میں ہم زندگی بسر کر رہی ہیں یہاں عورت آزاد ہے اور یہاں ویسے مسائل نہیں ہیں جیسے مسائل پاکستان یا تیسری دنیا کے بعض ممالک میں پائے جاتے ہیں۔ادب کے

تقاضوں کے پیش نظر، بیعت کے تقاضوں کے پیش نظر گو وہ باغیانہ مزاج کا اظہار تو نہیں کرتیں مگر معلوم یہ ہوتا ہے کہ دل بہر حال مطمئن نہیں کیونکہ اگر دل مطمئن ہوتا تو وہ بے پردگی سے پردے کی طرف لوٹتے ہوئے ثبات قدم دکھاتیں اور جس چیز کو اچھی چیز سمجھ کے پکڑا تھا اس پر قائم رہتیں لیکن بار بار پہلی حالت کی طرف لوٹنے کا رجحان بتاتا ہے کہ ان کے دل حقیقت میں پوری طرح مطمئن نہیں۔

جو پہلے گروہ کی خواتین ہیں ان میں سے آگے دو حصے ہیں ایک وہ جو پردہ کرتی ہیں لیکن دوسری خواتین کو حقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھتیں ان کے لئے دعائیں بھی کرتی ہیں ان کو نیک نصیحت بھی کرتیں ہیں اور خود اپنی زندگی استغفار کی حالت میں گزارتی ہیں کہ ایک نیکی کی خدا نے ہمیں توفیق بخشی ہو سکتا ہے کہ دوسری نیکیوں میں ہم اپنی بے پرد بہنوں سے پیچھے ہوں۔ تو ان کی یہ نیکی ان کو تکبر کی حالت میں داخل نہیں کرتی بلکہ ان کے انکسار کو بڑھاتی ہے۔ یہی ہیں جو سابقات کہلانے کی مستحق ہیں، یہی ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے تزکیہ کے لئے چن لیا ہے اور اگر نیکی کے ساتھ آپ تکبر کے پہلو کو داخل نہ ہونے دیں تو حقیقی فلاح کا یہی رستہ ہے۔

دوسرا گروہ ان میں ایسا ہے جو بعض دفعہ نادانی کے نتیجہ میں بعض دفعہ نیکی کے تکبر میں مبتلا ہو کر اپنی دوسری بہنوں کو طعن و تشنیع کے ساتھ چرکے لگاتی ہیں اور اگر ان کو جماعت کے نظام میں کوئی مقام دیا جائے تو اس کی سخت تکلیف محسوس کرتی ہیں اور ایسی حالت میں زندگی بسر کرتی ہیں گویا انہوں نے تو ایک بہت مشکل قدم اٹھایا تھا ایک تکلیف اٹھائی جماعت کے لئے اور نہ تکلیف اٹھانے والوں کو ان کے برابر کر دیا گیا گویا ان کی نیکی میں ایک اور بھی بیماری کا پہلو پایا جاتا ہے وہ اپنی نیکی کو گویا اسلام پر ایک احسان سمجھتی ہیں اور اسلام کا احسان نہیں سمجھتیں اپنی ذات پر کہ جس نے ان کو اس اعلیٰ نیکی کی راہ پر ڈال دیا اور خدا کا احسان نہیں سمجھتیں جس نے توفیق بخشی کہ بظاہر ایک مشکل کام تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ان کو یہ توفیق ملی اور خدا ہی کی طرف سے ملی کہ وہ اس مشکل راہ پر خدا کی خاطر قدم اٹھائیں۔ اگر ان کو یہ احساس ہوتا یا یہ احساس ہو کہ نیکی کی توفیق پانا اپنی ذات میں اللہ تعالیٰ کا ایک بہت ہی بڑا احسان ہے تو اس کے نتیجے میں وہ اپنے آپ کو بہتر سمجھتیں اور خوش حال سمجھتی ہیں اور اپنی کمزور بہنوں پر نفرت کی نگاہ ڈالنے کی بجائے ان کو محبت سے دیکھتیں، ان کو پیار سے دیکھتیں مگر درد اور دکھ کے ساتھ۔

یہ وہ بنیادی فرق ہے جس کی تفصیل بیان کرنی بہت ضروری ہے کیونکہ اس کا تعلق صرف پردے سے نہیں بلکہ ہماری اور بھی بہت سی اچھی اور بدعادات سے ہے بلکہ ہر نیکی اور بدی کے ساتھ اس مسئلے کا گہرا تعلق ہے اسے سمجھنا بڑا ضروری ہے۔

آنحضرت ﷺ کی ذات ہر نیکی سے مرصع تھی اور نیکی کے انتہائی مقامات پر آپ کو فائز فرمایا گیا۔ وہ گہری نیکیاں جن کا بندے اور خدا سے تعلق ہے وہ نیکیاں تو ایسی نیکیاں ہوتی ہیں جن میں سے اکثر باہر سے دیکھنے والے انسانوں کو دکھائی نہیں دیتیں اور حقیقت میں خدا اور بندے کا تعلق دنیا کی نظر سے پردے میں رہتا ہے۔ وہ مثبت فیصلہ کرے کسی کی حالت دیکھ کر وہ بھی غلط ہوسکتا ہے، منفی فیصلہ کرے وہ بھی غلط ہوسکتا ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ اندرونی طور پر کسی کا اپنے رب سے کیا تعلق ہے لیکن کچھ نیکیاں ایسی ہوتی ہیں جو باہر سے نظر آتی ہیں اور دکھائی دیتی ہیں جیسا کہ میں نے گزشتہ خطبہ میں بیان کیا تھا اخلاق ان میں سے ایک ہیں۔ تو آنحضور ﷺ نے فرمایا انی بعثت علٰی مکارم الاخلاق (مؤطا امام مالک کتاب الجامع) کہ دیکھو خدا تعالیٰ کی طرف سے میں اخلاق سے بھی چوٹی کے جو انتہائی عزت کے مقام پر فائز اخلاق ہیں ان پر میں فائز کیا گیا ہوں۔ تو اس پہلو سے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے وہ لطیف اور باریک پہلو جو ہمیں دکھائی نہیں دیتے ان کو سردست نظر انداز بھی کر دیں تو وہ پہلو جو دکھائی دینے والے ہیں یعنی اخلاق کی انتہائی بلندیاں ان پر تو ہم ہر حال میں اگر توجہ کریں تو آنحضور ﷺ کو فائز دیکھ سکتے ہیں۔ اگر آپ کی سیرت کا مطالعہ کریں تو اکثر سیرت کے مطالعہ کے دوران یہی پہلو ہے جو ہمیں دکھائی دیتا ہے اور اس کے پس منظر میں بہت سے پہلو ہیں جو مخفی رہتے ہیں۔ اس پہلو سے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے مقابل پر ہر دوسرا انسان بد اخلاق تھا کیونکہ اخلاق ایک نسبتی چیز ہیں، اخلاق کا سفر ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ایک لامتناہی سفر ہے اور کم اخلاق والا انسان بعض دفعہ اعلیٰ اخلاق والے انسان سے اتنا دور ہوتا ہے کہ جیسے تحت الثریٰ ثریا سے دور ہے۔

اس پہلو سے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ اگر وہی طریق اختیار کرتے جو میں نے بیان کیا ہے کہ بعض ہم میں سے کم فہم انسان اختیار کر لیتے ہیں یعنی اپنے سے کمزور کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تو آنحضرت ﷺ کسی ایک فرد بشر کی تربیت کے بھی اہل نہ رہتے۔ اپنے سے ہر چھوٹے کو آپ نے محبت اور رحمت کی نظر سے دیکھا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم نے آپ کو رحمۃ للعالمین قرار دیا اور

عالمین میں انسانوں کے علاوہ بھی تخلیق کو داخل فرما دیا اور انسان سے ادنیٰ تخلیق آنحضرت ﷺ سے اور بھی زیادہ دور تھی کیونکہ تخلیق میں سب سے اوپر انسان ہے۔ تو آپؐ کے انتہائی انکسار کے پہلو کو ظاہر فرمانے کے لئے اور آپؐ کے خدا تعالیٰ کی تخلیق سے گہرے لامتناہی تعلق کو ظاہر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو رحمۃ للعالمین قرار دیا کہ انسان تو انسان وہ ادنیٰ مخلوقات بھی جو آنحضرت ﷺ سے اپنے مقام اور مرتبے کے لحاظ سے بہت ہی گہرائی میں ہے اور بظاہر کوئی بھی ان کا تعلق نہیں ان پر بھی آپ رحمت کی نظر ڈالتے ہیں اور پیار کی نظر سے ان کو دیکھتے ہیں اور ان کی کمزوریوں سے تکلیف اٹھاتے ہیں ان کی سہولت سے آپ کا دل خوش ہوتا ہے اور آپؐ راحت پاتے ہیں۔

پس آپؐ کی زندگی میں ایسے بکثرت واقعات ملتے ہیں جن سے آپؐ کا رحمۃ للعالمین ہونا اور اس مضمون کے وسیع ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ جاندار چیزیں تو جاندار ہیں بظاہر جو بے جان چیزیں ان پر بھی آپؐ کی رحمت عام تھی اور ان کے لئے بھی آپؐ دکھ محسوس فرماتے تھے اگر وہ دکھ میں مبتلا ہوں۔ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں دو دور ہیں ایک وہ جب آپؐ ایک درخت کے تنے کے ساتھ سہارا لے کر خطبہ دیا کرتے تھے اور ایک بعد کا دور ہے جبکہ آپؐ کے لئے منبر بنایا گیا اور آپؐ منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ پہلی مرتبہ جب آپؐ منبر پر تشریف فرما ہوئے تو کچھ دیر کے بعد منبر چھوڑ کر اس درخت کے پاس آ گئے اور اس پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور آپؐ نے بتایا کہ میں جب منبر پر کھڑا ہوا تو اس درخت سے درد کی چیخیں اور کراہنے کی آواز میں نے سنی اور مجھے پتہ لگا کہ یہ تکلیف میں مبتلا ہے کہ کیا شان تھی ایک وقت میری کہ محمد مصطفیٰ ﷺ مجھ پر ہاتھ رکھ کر خطبہ دیا کرتے تھے اور آج مجھ سے جدا ہو گئے۔ خطبہ کے دوران جب کشفی حالت میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو یہ نظارہ دکھایا تو منبر کو چھوڑ کر اس درخت کے پاس تشریف لے آئے اور دوبارہ اس پر ہاتھ رکھ کے خطبہ دیا۔ (بخاری کتاب البیوع حدیث نمبر: ۱۵۹۲) یہ ایک کشفی نظارہ تھا جو ہمارے لئے ایک گہرا سبق رکھتا ہے کہ کس درجہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کو ادنیٰ سے ادنیٰ چیز کے لئے پیار تھا اور اس کے لیے محبت تھی اور اس کے لئے درد محسوس فرماتے تھے اور جب ہم سنتے ہیں کہ آپ رحمۃ للعالمین تھے تو یہ ایک فرضی بات نہیں ہے بلکہ یہ ایک بہت ہی گہرا مضمون ہے جس کا حقیقت سے تعلق ہے۔

پس اگر تربیت سیکھنی ہے تو آنحضرت ﷺ ہی سے سیکھنی پڑے گی اور تربیت میں نفرت

اور غصے کا کوئی بھی کردار نہیں۔تربیت سے نفرت اور غصے کا کوئی دور کا بھی تعلق نہیں۔تربیت حقیقت میں رحمت سے تعلق رکھتی ہے اور اگر آپ اس مضمون کو سمجھ جائیں تو پھر آپ تربیت کی طرف پہلا قدم اٹھانے کے اہل ہو جائیں گے اور یہ راستہ ایک بہت ہی وسیع راستہ ہے۔صرف ایک ہی قدم نہیں آتا اور بھی قدم آتے ہیں اور بھی دشواریاں پیش ہوتی ہیں۔اگر آپ تربیت کا مفہوم ہی نہ سمجھیں تو آپ تو پہلا قدم بھی نہیں اٹھا سکتے اور ہمیں تو بہت لمبے سفر کرنے ہیں۔اس مضمون کو سردست ترک کرتے ہوئے میں واپس پردہ کی طرف آتا ہوں اور دوبارہ پھر انشاء اللہ اس خطبہ کے آخر پر اسی مضمون کو دوبارہ پکڑوں گا تا کہ اس کا تعلق خاتَم سے واضح طور پر آپ کو دکھاؤں۔

جہاں تک پردہ کا تعلق ہے احمدی خواتین پر اس مغربی دنیا میں بہت ہی گہری ذمہ داری ہے اور حقیقت میں وہ اپنی اولادوں کو بنا بھی سکتی ہیں اور بگاڑ بھی سکتی ہیں۔ایک ایسے ماحول سے آتی ہیں اکثر ہم میں سے، کچھ تو ایسی خواتین ہیں جن کی پرورش آزاد ملکوں میں اور ترقی یافتہ ملکوں میں ہوئی لیکن بہت سی ایسی خواتین ہیں جو یہاں تشریف لائیں اور اس ملک کو یا ان ممالک کو اپنا دوسرا ملک بنا لیا۔جن کا اقتصادی پس منظر بھی مختلف ہے اور اکثر حالات میں مشکل زندگی بسر کرنے والیاں تھیں اور معاشرتی اور تمدنی پس منظر بھی اتنا مختلف ہے کہ وہاں ادنیٰ سی آزادی پر انگلیاں اٹھا کرتی تھیں اور طعن سنا کرتی تھیں اور بعض دفعہ شکایات ہوا کرتی تھیں۔نظام کی آنکھ بھی زیادہ وسیع طور پر نظر رکھنے والی تھی اور نظام کی پکڑ بھی بسا اوقات کڑی ہوا کرتی تھی۔اس لئے وہاں جو زندگی انہوں نے بسر کی وہ زندگی آزاد زندگی نہیں تھی۔ان کی نیکیوں کے لئے پرورش پانے اور پنپنے کا ایسا ماحول نہیں تھا کہ ہم ان کی نیکیوں کو حقیقی نیکی سمجھ سکتے۔بہت سی ایسی نیکیاں تھیں جو دباؤ کے تابع تھیں اور بہت سی ایسی نیکیاں تھیں جو غربت کے نتیجہ میں خود بخود پیدا ہو جاتی ہیں۔حالانکہ نیکی تو وہ نیکی ہے جس میں دوام ہو، جس میں باقی رہنے کی صلاحیت ہو جو وقتی دباؤ کے تابع نہ ہو بلکہ ایک آزاد رو نیکی ہو جس کا وقتی حالات سے کوئی بھی تعلق نہ ہو جغرافیائی حالات سے کوئی بھی تعلق نہ ہو، ہر حالت میں وہ نیکی رہے۔

اسی لئے قرآن کریم نے نیکی کے ساتھ باقیات کا لفظ استعمال فرمایا اَلْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ (کہف:۴۷)۔بلکہ باقیات کو پہلے رکھا کہ نیکی کی بنیادی تعریف یہ ہے کہ وہ باقی رہنے والی ہے۔ماحول سے متاثر نہ ہو بلکہ ماحول کو متاثر کرنے والی ہو۔ہر حال میں زندہ رہنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔اسی لئے

جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے باقیات کے لفظ کو پہلے استعمال فرماتا ہے قرآن کریم کہ نیکی تو ہے ہی وہی جس میں بقا کی طاقت موجود ہو، جو زندہ رہنے کی اہلیت رکھتی ہو۔ وہ نیکی جو جگہ بدلنے سے مر جائے یا مرجھا جائے یا نیم جان ہو جائے اسے قرآن کریم کی اصطلاح میں نیکی نہیں کہا جاتا۔

تو ایسی خواتین جو پردہ میں ملبوس رہا کرتی تھیں یا بعض دیگر امور میں اسلامی پابندیوں کو اختیار کیا کرتی تھیں جب ان سے وہ سارے دباؤ اٹھ گئے اور جب دوسرے محرکات بھی ان کو نصیب ہو گئے جو دوسرے رستوں کی طرف ان کو بلانے والے تھے۔ اگر وہ نیکیاں جو وہ پہلے وطن میں کیا کرتی تھیں وہ قرآنی اصطلاح میں نیکیاں ہوتیں تو ہرگز اس تبدیلی حالات کا ان کی نیکیوں پر کوئی بھی اثر نہیں پڑنا تھا۔ لیکن اگر وہ مجبوری کی نیکیاں تھیں، عصمت بی بی بے چارگی کا سا حال تھا (یہ ایک اردو کا محاورہ ہے) تو پھر اس صورت میں لازماً ان کے اوپر اثر پڑنا چاہئے تھا اور یہ اثرات کم و بیش بہت سی صورتوں میں ہمیں پڑتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

پردہ پر جو اس کا اثر پڑا وہ ایسا اثر نہیں ہے جو ان کی ذات تک محدود رہے۔ اس سے قومی کردار کے بننے یا بگڑنے کا تعلق ہے، آئندہ نسلوں کے سنبھلنے یا ٹھوکر کھانے کا تعلق ہے اور بہت ہی اہم مضمون ہے کیونکہ یہاں جو سب سے بڑا مقابلہ ہے وہ مذہبی دلائل کا نہیں بلکہ تہذیب کی برتری یا تہذیب کے ادنیٰ ہونے کا مقابلہ ہے۔ مذہبی دلائل بعد کی باتیں ہیں اس دنیا میں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اس وقت اسلام کی ٹکر تہذیب کے میدان میں ہو رہی ہے۔ ایک مغربی تہذیب ہے جس نے اوڑھنی اوڑھ رکھی ہے عیسائیت کی حقیقت میں وہ عیسائیت نہیں ہے ایک فرضی نام ہے عیسائی تہذیب۔ عیسائیت کا اس تہذیب سے دور کا بھی تعلق نہیں اور ایک اسلامی تہذیب ہے اس کے مقابل پر۔ ان لوگوں کو جو مادہ پرست ہو چکے ہیں ان کو اگر تہذیب کی برتری دکھائی دے گی اور طمانیت قلب کسی تہذیب میں نظر آئے گا اور کسی تہذیب میں زندہ رہنے کی صلاحیت اور طاقت دکھائی دے گی تو پھر تو یہ اسلام سے مرعوب ہو سکتے ہیں۔ اگر یہ ان کو دکھائی نہیں دے گا تو آپ کے دلائل کچھ بھی اثر نہیں دکھائیں گے۔

تو ایک معمولی مضمون نہیں ہے ایک بہت ہی بڑا اور وسیع مضمون ہے اور اس کے مختلف پہلوؤں پر میں بار بار پہلے توجہ دلا چکا ہوں۔ پردہ ضروری نہیں ہے کہ برقع کی صورت میں اختیار کیا

جائے لیکن وہ خواتین جو ایسے ماحول میں پرورش پا چکی ہیں جہاں برقع اور پردہ ہم آہنگ ہو چکے تھے۔ ایک ہی چیز کے دو نام سمجھے جاتے تھے، وہاں ان کا برقع چھوڑ نا عملاً پردہ چھوڑنے کے مترادف ہو جاتا ہے اور بسا اوقات برقع چھوڑ نا احساس کمتری کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے۔ ہزار بہانے وہ نفس کے تلاش کریں کہ نہیں یہاں تو برقعے کی ضرورت نہیں، یہاں دوسرا پردہ بھی تو ہو سکتا ہے، کم سے کم پردہ بھی تو کوئی چیز ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ اپنے دل کو ٹٹول کے دیکھیں تو ان کو محسوس ہوگا کہ یہ سارے نفس نے بہانے بنائے تھے اور سجا کر ایک بات کو دکھایا تھا جو حقیقت میں ایک بدزیب بات تھی۔ عملاً وہ برقع سے نہیں پردہ سے بھاگنا چاہتی تھی اور شرم محسوس کرتی تھی ان گلیوں میں برقع پہن کر کہ کوئی دیکھنے والا کیا کہے گا کہ دقیانوسی عورت کہاں سے آگئی ہے۔ عورتیں آزاد پھر رہی ہیں ناچ رہی ہیں اور ہر قسم کی دنیا کی لذتیں حاصل کر رہی ہیں۔ ٹی وی پر دیکھو تو تب کیا اور گلیوں میں جا کر دیکھو تو تب کیا بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسی دنیا میں رہنا اور یہیں مر جانا ہے اور یہی کچھ مدعا ہے انسانی تخلیق کا۔ ان باتوں پر جب وہ نظر ڈالتی ہیں اور پھر برقع پہن کر باہر جاتے ہوئے دیکھتی ہیں اپنے آپ کو، لوگوں کی نظروں کو دیکھتی ہیں جو ان پر پڑتی ہیں تو شدید احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ کہتی ہیں یہ کیا بات ہے ہم کیوں پرانی اور دقیانوسی محسوس ہوں، کیوں نہ نسبتاً ادنیٰ پردہ کی طرف لوٹ جائیں۔ ایک یہ طبقہ ہے۔ شروع میں بظاہر بدی کے نتیجہ میں نہیں بلکہ شرمندگی کے نتیجہ میں یہ برقع اتارنے والی خواتین ہوتی ہیں لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ یہ قدم پہلا قدم تو ہوتا ہے آخری قدم نہیں ہوتا اور رفتہ رفتہ تہذیبی اثرات ان پر غالب آنے لگ جاتے ہیں جب ایک دفعہ سر جھکا دیا ایک تہذیب کے سامنے تو وہ سر پھر جھکتا ہی چلا جاتا ہے۔

کچھ دوسری خواتین ایسی ہیں جن کا نفس بہانے ڈھونڈتا ہے اور وہ یہ کہتی ہیں کہ برقع ثابت کرو کہاں سے آیا ہے قرآن کریم میں۔ یہ تو برقع ہے ہی نہیں اور پھر کم سے کم پردہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسلامی اصول کی فلاسفی میں واضح فرما دیا ہے تو اس کے بعد ہم پر برقع ٹھونسنا زیادتی ہے۔ یہ درست ہے کہ برقع جب بھی ایجاد ہوا تھا میں نہیں جانتا کس نے ایجاد کیا تھا، اس کے کچھ پہلو یقیناً تکلیف دہ ہیں اور ہو سکتا ہے برقع کی بعض قسمیں اور عملاً ہوتا بھی ہے کہ برقع کی بعض قسمیں پرانی پابندیوں سے بہت بڑھ کر ہیں جو قرآن عورت پر عائد کرتا ہے لیکن جس نے بھی یہ

پابندیاں قرآن کے نام پر یا اسلام کے نام پر عائد کیں جب وہ ایک سوسائٹی کا حصہ بن گئیں تو ان سے باہر نکلنے میں بعض ایسی احتیاطوں کی ضرورت ہے جو ہمارے اپنے فائدہ میں ہیں۔ اگر ہم ان احتیاطوں کو چھوڑ دیں گے تو گہرا نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔ کیونکہ ایک لمبی نسلاً بعد نسلٍ تربیت کے نتیجہ میں رفتہ رفتہ ہم نے برقع کو پردہ سمجھ لیا تھا حالانکہ جیسا کہ میں بیان کیا ہے حقیقت یہی برقع پردہ نہیں ہے پردہ کا ایک ذریعہ ہے اور بعض بہت سی صورت میں اس پردہ سے زیادہ سخت ہے جو اسلام عائد کرتا ہے۔ مثلاً صوبہ سرحد میں اگر آپ چلے جائیں تو وہاں ایک تنمبو قسم کا برقع آپ کو نظر آئے گا اور نہایت ہی ایک خوفناک شکل ہے اس برقع کی۔ باریک سوراخ آنکھوں کے سامنے ہوتے ہیں اور سارا سر سے پاؤں تک یوں معلوم ہوتا ہے تنمبو میں لپٹی ہوئی عورت پھر رہی ہے اور اس کی زندگی ایک تکلیف کی زندگی رہتی ہے ہمیشہ۔ وہ حتی المقدر باہر ہی نہیں جاتی بے چاری کہ جب بھی جاؤ گی اس مصیبت میں مبتلا ہو کر باہر نکلوں گی۔ تو بعض اور بھی شدتیں اختیار کر لیں برقع نے جو پنجاب میں عموماً نہیں پائی جاتیں اور احمدیت میں جو برقع رائج ہے وہ پنجاب میں رائج دوسرے برقعوں سے بھی نسبتاً آسان ہے۔ ہم نقاب میں آنکھوں کی جگہ چھوڑ دیتے ہیں عورتیں آنکھیں نیچے کر کے نقاب لیتی ہیں اور بہت بہتر اور زیادہ سہولت والی شکل ہے اور قرآنی تعلیم کے مخالف بھی نہیں۔

جہاں تک نظر کا تعلق ہے مرد اور عورت میں قرآنی تعلیم میں کوئی بھی فرق نہیں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ عورت کی آنکھ چھپانی ضروری ہے جب کہ مرد کی آنکھ چھپانی ضروری نہیں تو وہ قرآنی تعلیم کو نہیں جانتا۔ یا اگر جانتا ہے تو کسی اور مصلحت کے پیش نظر ایسی بات کر رہا ہے۔ جہاں تک حقیقی قرآنی تعلیم کا تعلق ہے مرد اور عورت کی آنکھ میں تعلیم میں فرق نہیں۔ دونوں کو جھکنا چاہئے، دونوں کو آزادانہ نہیں پھرنا چاہئے۔ تو آنکھ کا پردہ تو یہ پردہ ہے۔ باقی جو چہرے کا پردہ ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی تشریح کے بعد احمدی خواتین میں جو برقع رائج رہا یا اب بھی رائج ہے وہ دوسرے تہذیبی برقع سے نسبتاً آسان تر ہے اور الا ماشاء اللہ اس کی روزمرہ کی زندگیوں میں کوئی دقت پیدا نہیں کرتا۔

تو جب اس برقع کو چھوڑ کر بعض خواتین یہ کہہ کر کہ برقع پردہ نہیں باہر آنے کی کوشش کرتی ہیں تو جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے بعض اوقات تو وہ احساس کمتری میں مبتلا ہو کر ایک دوسری تہذیب

کے نیچے سر جھکا کر یہ عذر پیش کرتی ہیں اور بعض دفعہ ان کو نفس آزادی کے تقاضے کرتا ہے جو بے راہ روی کی طرف مائل ہوتی ہے اور پھر اپنے خاوندوں اور اپنے بڑوں کو کہتی ہیں کہ دکھاؤ قرآن کریم سے برقع کہاں لکھا ہوا ہے۔

بہر حال اگر وہ برقع چھوڑ دیں اور پردہ کی تعریف کے مطابق پردہ کریں تو کسی کو بھی کوئی حق نہیں کہ ان پر انگلی اٹھائے اور ان پر اعتراض کرے۔ ہم نصیحت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ پتہ ہے کہ اکثر برقع چھوڑنے کے بعد پھر قدم آگے بڑھنے شروع ہو جایا کرتے ہیں اور اولادوں پر اس کا برا اثر پڑتا ہے۔ اس لئے بطور نصیحت کے بار بار ان کو توجہ دلائی جاتی ہے اور اگر وہ سختی سے یہ کہیں کہ نہیں ہم اسلامی کم سے کم تعریف پر پورا اتریں گی تو ان کا حق ہے۔ ہم ان کو زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے کہ اگر تم کم سے کم کی بجائے زیادہ سے زیادہ کی کوشش کرو تو یہ زیادہ نیکی ہوگی۔ ایک نفلی کام ہے جو قوم کے لئے ممد اور معاون ثابت ہوگا جو ہماری تہذیب کی حفاظت کے لئے بہت ہی کارآمد ہوگا اور اس دنیا میں اسلامی معاشرہ کو غالب کرنے کے لئے اور غالب آنے والی نسلیں پیدا کرنے کے لئے تمہاری یہ قربانی بہت دور تک اثر دکھائے گی۔ اس رنگ میں نصیحت تو ہم کر سکتے ہیں مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ چونکہ تم کم سے کم پردہ کرتی ہو اس لئے تمہارا سوشل بائیکاٹ ہوگا۔ تمہیں ادنیٰ سمجھا جائے گا۔ تمہیں بدتر کہا جائے گا۔ یہ کسی کو کہنے کا حق نہیں۔

اس لئے بعض خواتین یا جو برقع میں ملبوس رہتی ہیں جب مجھے یہ کہتی ہیں کہ آپ یہ کیوں کہہ دیا کرتے ہیں پھر کہ کم سے کم پردہ بھی کر لو تو کوئی حرج نہیں اور مجھ سے بعض بحثیں کرتی ہیں۔ میں ان کو یہی کہتا ہوں کہ یہ کہتا تو ہوں لیکن دوسری ساری باتیں سمجھانے کے بعد کہتا ہوں اور یہ اس لئے کہتا ہوں کہ میرا ہرگز کوئی حق نہیں ہے کہ اسلامی شریعت میں دخل اندازی کروں۔

اسلام کی شریعت کی دو انتہائیں معین ہیں اور واضح ہیں ہمیشہ کے لئے ان کی وضاحتیں کرنا انبیاء کا کام ہے۔ سب سے اول حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کا کام تھا اور آپؐ نے وضاحت فرمائی اور لمبے دور میں جو حدیثیں بگڑیں یا بعض نا قابل اعتماد ہو گئیں اس کے نتیجہ میں دوبارہ جب وضاحت کی ضرورت پیش آئی تو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے وضاحت فرما دی۔ اس وضاحت میں دخل اندازی کرنے والا میں ہوتا کون ہوں۔ کس ماں کا بیٹا ہے جو وقت کے امام کو جس کو

خدا نے بنایا ہوا اس کو شریعت کا وضاحت کرنے والا نہ سمجھے اور اس پر اضافے کردے یا اس میں کمی کردی۔ اس لئے جو کچھ بھی کوئی کہے میں ہرگز اس کم سے کم معیار کو بدلنے والا انسان نہیں ہوں، نہ میری طاقت ہے نہ میری حیثیت ہے۔ اس لئے وہ تو میں ضرور بیان کروں گا لیکن وہ معیار بھی جسے آپ کم سے کم سمجھتی ہیں ایک بہت ہی اعلیٰ معیار ہے کیونکہ اس کے پیچھے پردے کی ساری روح قائم ہے۔ وہ سارے تقاضے جو پردے کے ہیں ان کو نظر انداز کرنے کے بعد وہ کم سے کم معیار نہیں رہتا بلکہ ان کو ملحوظ رکھنے کے بعد پھر وہ کم سے کم معیار بنتا ہے اور یہ ایک بہت بڑا مطالبہ ہے۔ ایسی خواتین جو چہرہ اتنا ڈھانپیں صرف جتنا کہ میں نے بیان کیا ہے اسلامی اصول کی فلاسفی میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہاتھ سے ایک تصویر بنا کر دکھایا ہے تو بالکل کافی ہے لیکن اس کے ساتھ جو روح بیان فرمائی ہے اس کو بھی تو ملحوظ رکھیں۔ اگر اس کی روح ماردیں گے تو پردہ کا بت تو قائم ہو جائے گا ایک زندہ پردہ قائم نہیں ہوسکتا۔ اس صورت میں ان خواتین کو چاہئے کہ باہر جب نکلیں تو ہرگز سنگھار نہ کریں۔ اپنی آسائش کو بڑھا کر نہ دکھائیں، اپنی چال ڈھال میں ایک وقار پیدا کریں، اپنے جسم کو سمیٹ کر رکھیں اور ہرگز ایک بیمار آدمی کو یہ احساس نہ ہو کہ یہ ہمیں اپنی طرف کھینچ رہی ہیں بلکہ ان کی نظر ایک غلط نظر کو دھتکار کر پیچھے پھینکے۔ اگر یہ روح ہے پردہ کی تو وہ کم سے کم معیار جسے آپ کم سے کم سمجھ رہی ہیں وہ کم سے کم رہتا ہی نہیں درحقیقت ایک بہت بلند معیار بن جاتا ہے اور کسی کا حق نہیں کہ اس کے اوپر اعتراض کر سکے۔ لیکن ظاہری طور پر کم سے کم صورت کو اختیار کر لینا اور اندرونی طور پر کم سے کم کو کلیۃً نظر انداز کر دینا اور ہر اس چیز کو جو روح کہلاتی ہے اس کو بھلا دینا یا پرے پھینک دینا حقارت سے یہ تو پردہ نہیں ہے۔ اس کے کچھ اثرات ایسے ہیں جو ذاتی ہیں مجھے اس وقت ان سے زیادہ بحث نہیں ہے۔

انفرادی نیکیاں، انفرادی بدیاں ہر ایک کا معاملہ اپنے رب سے ہے وہ جس کو چاہے گا بخشے گا، جس کو چاہے گا پکڑے گا لیکن میں بحیثیت قومی نگران کے خصوصیت کے ساتھ وہ پہلو آپ کے سامنے لانا چاہتا ہوں جو ساری قوم پر اثر انداز ہوتے ہیں اور اس زمانے کے احمدیوں پر نہیں بلکہ آئندہ آنے والے احمدیوں پر بھی شدید اثر انداز ہوں گے۔ یہ تمدنی تقاضے اگر آپ چھوڑ دیں گے، اسلام کے تمدنی تقاضے اور یہ معاشرتی تقاضے اگر آپ چھوڑ دیں گے جو اسلام کے معاشرتی تقاضے

ہیں تو اس کے بہت ہی گہرے اثرات آپ کی اولادوں پر مترتب ہوں گے۔

ایک بنیادی اصول ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے جس کو بھلانے کے نتیجہ میں قومیں بعض دفعہ شدید نقصان اٹھاتی ہیں اور قوموں کی ترقی اور تنزل میں یہ بنیادی اصول ہمیشہ کارفرما رہتا ہے اور وہ اصول یہ ہے کہ جب آپ نیکی کی طرف قدم بڑھاتے ہیں تو یہ اوپر کا رستہ ہے جس کے لئے دقت ہوتی ہے اور مشکل پڑتی ہے۔ Up hill task یعنی چڑھائی پر چڑھنے کا رستہ ہے اور جب آپ بدی کی طرف قدم بڑھاتے ہیں تو وہ اترائی کا رستہ ہے جو نسبتاً آسان ہے اور آپ کے قدموں میں تیزی پیدا کرنے والا رستہ ہے۔ اس لئے جب ماں باپ نیک ہوں تو ہرگز ضروری نہیں کہ اولاد بھی خود بخود نیک بنے۔ ماں باپ کا نیکی کا رستہ ایک مشکل رستہ ہے۔ اس لئے وہ دس قدم چلیں گے تو ایک قدم اولاد آئے گی۔ سوائے اس کے کہ وہ دس گنا محنت کریں اپنی اولاد پر۔ اس لئے صرف نیک ماں باپ کی اولاد نیک نہیں ہوا کرتی۔ ان نیک ماں باپ کی اولاد نیک ہوتی ہے جو اپنی نیکی کے علاوہ اپنی اولاد پر دس گنا محنت کرتے ہیں اور بدی کا رستہ اترائی کا رستہ ہے۔ اگر ماں باپ ایک قدم بدی کی طرف اٹھائیں گے تو اولاد دس قدم آگے بڑھائے گی۔ اور صرف ایک قدم پر نہیں ٹھہرے گی۔ اس لئے وہ بے احتیاطیاں جو آپ معاشرتی لحاظ سے یا تمدنی لحاظ سے یا اخلاقی لحاظ سے یا مذہب کے اعلیٰ تقاضوں کے لحاظ سے کر جاتے ہیں ان کا اولاد پر اثر مترتب ہوتا چلا جاتا ہے۔

وہ مائیں جو مغربی تہذیب سے مسحور ہو جاتی ہیں اور متاثر ہو جاتی ہیں ان کے بالوں کے کٹنے کے انداز میں، ان کے گفتگو کے انداز میں، ان کے اپنے بدن کو سمیٹنے یا نہ سمیٹنے کے انداز میں، ان کی چال ڈھال میں نظر آنے لگ جاتا ہے کہ یہ ہاتھ سے نکل رہی ہیں، مسحور ہو چکی ہیں ایک دوسری تہذیب سے۔ مجبور ہیں زیادہ قدم اس لئے نہیں اٹھا سکتیں کہ دیکھنے والی آنکھیں ایسی ہیں جن کے دیکھنے کو یہ نظر انداز نہیں کر سکتیں۔ ان کے بزرگ ہیں، ان کے بھائی ہیں، ان کے خاوند ہیں، ان کے دوسرے عزیز ہیں جو جب ان کو دیکھتے ہیں تو ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ اگر یہ ساری آنکھیں ہٹ جائیں، یہ ساری نگرانی ختم ہو جائے تو جہاں وہ کھڑی ہیں اس سے کئی گنا زیادہ آگے ایک غلط راستے کی طرف جاتی ہوئی دکھائی دیں گی۔ اس لئے ایسی خواتین جب پردہ توڑتی ہیں یا پردے سے بے پردگی کی طرف رفتہ رفتہ بھی قدم بڑھاتی ہیں تو یہ سمجھ لینا کہ ان کی اولاد ان کی حقیقت کو سمجھ نہیں رہی

ہوتی اس پس منظر کو نہیں سمجھ رہی ہوتی یہ بہت ہی سادگی ہے، بہت ہی بھولا پن ہے۔

امر واقعہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے بچوں کو بہت ہی ذہین بنایا ہے۔ جب وہ دیکھتے ہیں اپنے ماں اور اپنے باپ کا انداز تو اس کی روح کو دیکھ رہے ہوتے ہیں، ظاہر کو نہیں دیکھ رہے ہوتے اور اگر انہوں نے بدی کی طرف ایک قدم اٹھایا ہے تو دس گنا زیادہ تیزی سے اس کی طرف بڑھتے ہیں اور اگلی نسل کی آنکھیں بدلنے لگتی ہیں اور جو لوگ اس راز کو نہیں سمجھتے کچھ دیر کے بعد ان کی اولاد ان کے لئے معمہ بن جاتی ہے۔ وہ کہتے ہیں ہم تو ایسے برے نہیں تھے۔ ہم نے تو ظاہری طور پر سب تقاضے پورے کئے، جماعت میں تعلق رکھا، نمازیں بھی پڑھیں، چندے بھی دیئے یہ اولاد کی نظریں بگڑ گئیں ہیں۔ ان کو کیا ہو گیا ہے ان کے لئے پھر وہ بے چین بھی ہوتے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ چند بے احتیاطیاں انہوں نے ایسی کی ہوتی ہیں جو دراصل غیر تہذیب سے مرعوب ہونے کے نتیجہ میں وہ کرتے ہیں اور اولاد جان لیتی ہے کہ ہمارے ماں باپ اس معاملہ میں شکست کھا چکے ہیں۔ روکیں ٹوٹ چکی ہیں اور پھر وہ تیزی کے ساتھ بے دھڑک آٹھ دس گنا زیادہ رفتار کے ساتھ ان رستوں پر چل پڑتے ہیں اور جب وہ اپنے سے بہت آگے بڑھتا ہوا ان بدیوں میں دیکھتے ہیں تو حیران ہوتے ہیں کہ ہم نے تو نہیں کہا تھا۔ ہم تو روکتے ہی رہے ان کو، ہم تو یہی تعلیم دیتے رہے کہ ٹھیک بنو، ان کو کیا ہو گیا ہے۔

پس جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے یہ ایک بنیادی مسئلہ ہے قوموں کی زندگی اور ترقی کا راز اس مسئلہ میں ہے۔ اس کو سمجھیں اور اس کو زندہ رکھیں، یاد رکھیں کہ نیکیوں میں اگر آپ دس قدم اٹھائیں گے تو آپ کی اولاد ایک قدم اٹھائے گی۔ سوائے اس کے کہ دس گنا محنت سے آپ اس اولاد کو اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش کریں اور بدیوں میں اگر ایک قدم آپ اٹھائیں گے تو آپ کی اولاد دس قدم اٹھائے گی۔ سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور بعض اور محرکات اس اولاد کو روک لیں یا نظام جماعت کا غالب اثر ان کو بچالے لیکن جہاں تک آپ کی ذات کا تعلق ہے یہ قانون کی شکل میں جاری قانون ہے جسے آپ روک یا بدل نہیں سکتے۔

اس پہلو سے جو سب سے بڑا خطرہ مجھے درپیش ہے ہم جماعتی لحاظ سے اس کو دیکھتے ہیں تو یہ شکل نظر آتی ہے کہ ایک نسل باہر سے آئی یہاں آباد ہوئی۔ ان کے ماں باپ نے یہ دعوے کئے تھے کہ

ہم اسلام کو از سر نو دنیا پر غالب کرنے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ وہ بلند بانگ دعوے کرتے تھے اور کرتے ہیں کہ ہم نے امریکہ کو بھی فتح کرنا ہے اور روس کو بھی فتح کرنا ہے اور چین کو بھی فتح کرنا ہے اور جاپان کو بھی فتح کرنا ہے اور کینیڈا کو بھی فتح کرنا ہے اور انگلستان کو بھی فتح کرنا ہے اور جرمنی کو بھی کرنا ہے اور یورپ کے دیگر ممالک کو بھی اور یہ سارے اسلام کے زیر نگیں لانے ہیں۔ یہ دعوے لے کر جو قوم اٹھی ہو اور ان دعووں میں سچا ایمان رکھتی ہو اور ان دعووں میں سنجیدہ ہو۔ جب اس قوم کے نمائندے سفیر بن کر ان غیر قوموں میں جا کر آباد ہوتے ہیں تو دیکھنا یہ ہے کہ وہ مؤثر ہیں یا متأثر۔ اگر آج وہ متاثر نہیں بھی دکھائی دیتے نمایاں طور پر لیکن ایسے اعمال کر رہے ہیں کہ ان کی اولادیں متاثر ہو جائیں۔ تو لازماً اگلی نسل ہم ان لوگوں کے سامنے ہار بیٹھیں گے اور ہمارا رخ فتح کی طرف نہیں بلکہ شکست کی طرف ہوگا۔ قرآن کریم کی اس آیت کو نظر انداز کرنے والے ہوں گے کہ:

اَفَلَا یَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ (الانبیاء:۴۵)

محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپؐ کے غلاموں کے لئے تو قرآن نے یہ معیار پیش کیا تھا۔ ان کے مقابل پر فتح کے دعویٰ کرنے والوں کو یہ بیان فرمایا، یہ کہہ کر متوجہ کیا کہ یہ بڑھ رہے ہیں اور پھیل رہے ہیں اور تمہاری تہذیب کو ہر طرف سے چاٹتے چلے جا رہے ہیں اور ختم کرتے چلے جا رہے ہیں۔ جس طرح سیلاب کناروں کو کھا جاتا ہے اس طرح یہ ایسے موثر لوگ ہیں ایسے غالب اثر رکھنے والے لوگ ہیں کہ دن بدن ارد گرد سے تمہاری زمینیں کم کرتے چلے جا رہے ہیں اور پھر تم یہ دعویٰ کرتے ہو کہ تم غالب آؤ گے۔ جن کی زمینیں گھٹ رہی ہوں جن کے کنارے ٹوٹ رہے ہوں وہ تو غالب نہیں آیا کرتے۔ وہ جو پھیلتے ہیں اور اثر انداز ہوا کرتے ہیں وہ غالب آیا کرتے ہیں۔ تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے یہ کیسے غالب آ جائیں گے۔ محمد مصطفیٰ ﷺ اور ان کے ساتھی جو دن بدن ان کی زمینیں کاٹ رہے ہیں اور گھیرتے چلے جا رہے ہیں ان کو اور کہتے یہ ہیں کہ ہم غالب آئیں گے۔

تو کیا یہی صورت ان احمدیوں کی بھی ہے جو غیر قوموں میں جا کر آباد ہوئے، جن کی فتح کا دعویٰ لے کر وہ اٹھے تھے اور جن کی فتح کا دعویٰ لے کر آج بھی وہ زندہ ہیں۔ اگر ان کی تہذیب غالب آ رہی ہے، اگر ان کے کنارے منہدم کر رہے ہیں اور ان کا اثر پھیلتا چلا جا رہا ہے تو یقیناً یہ قرآن کریم

کا بیان ہم پر چسپاں ہوتا ہے اور اگر یہ نہیں ہوتا ہے اور ہم دن بدن ان کی تہذیب کے نیچے مغلوب اور متاثر ہوتے چلے جارہے ہیں تو پھر یہی غالب آئیں گے۔ پھر اس دعویٰ میں کوئی بھی سچائی نہیں کہ ہم غالب آنے والے ہیں۔ کم سے کم ان نسلوں کے ذریعہ اسلام یہاں غالب نہیں ہوسکتا جو مغلوب ہو جائیں ان سے اور جو متاثر ہو جائیں۔

اس مضمون کا خاتمیت کے ساتھ ایک بہت گہرا تعلق ہے اور خاتمیت کے صحیح معنوں کے ساتھ اس کا تعلق ہے۔ قرآن کریم کے مضمون کو اگر آپ صحیح سمجھیں تو اس میں عظیم الشان فوائد ہیں۔ اگر غلط سمجھیں تو اسی حد تک نقصانات ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو خاتمیت کی تفسیر فرمائی اس کو ہم اس لئے بھی چمٹے ہوئے ہیں اور مجبور ہیں اس سے چمٹے رہنے پر کہ اس میں امت محمدیہ کے لئے عظیم مصالح ہیں اور عظیم فوائد اس تفسیر سے وابستہ ہیں اور جو تفسیر آج کے ظاہری علماء ہم پر ٹھونسنا چاہتے ہیں وہ شدید نقصان کے پہلو رکھنے والی تفسیر ہے۔

چنانچہ جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا، آنحضرت ﷺ کی خاتمیت کا امت کی تربیت سے ایک بہت ہی گہرا تعلق ہے اور اٹوٹ تعلق ہے جو سمجھتا ہی نہیں اس تعلق کو وہ اسے مناظروں اور کج بحثیوں کے لئے استعمال کرتا ہے اور جو سمجھتا ہے اس کے لئے اس میں عظیم الشان فوائد ہیں اور زندہ رہنے کے راز ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کہ ہاں یہ ٹھیک ہے کہ محمد مصطفیٰ ﷺ تم جیسے بے اثر اور بے تاثیر مردوں کے باپ نہیں ہیں جن کی تہذیب مٹ جانے والی ہے۔ ہاں انبیاء کے باپ ہیں جو غالب آیا کرتے ہیں۔ انبیاء کی مہر ہیں یعنی انبیاء کی بھی تشکیل کرنے والے ہیں۔ انبیاء کو دیکھ کر اپنی شکل نہیں بنا رہے بلکہ ان کی شکل میں انبیاء ڈھلنے والے ہیں۔

یہ ایک بہت ہی عظیم الشان تفسیر ہے جس کا اسلام کے مستقبل سے گہرا تعلق ہے۔ اس کے مقابل پر وہ علماء جو نعوذ باللہ من ذالک اپنی تحریک کو تحفظ ختم نبوت کی تحریک کہتے ہیں ان کی تفسیر اس سے بالکل الٹ مضمون رکھتی ہے۔ چنانچہ مولانا مودودی صاحب نے ایک بظاہر بہت دور کی کوڑی لاتے ہوئے ہمیں بتایا کہ دیکھو خاتم تو اس مہر کو کہتے ہیں جو ڈاک کے لفافے پر لگتی ہے اور اسی رنگ

میں اور بھی علماء آجکل ایسی باتیں کرتے ہیں اور جب وہ بند کر دیتی ہے تو اس میں نہ کوئی جا سکتا ہے اور نہ کوئی باہر آ سکتا ہے۔ اس لئے ہر قسم کی نبوت ہمیشہ کیلئے ختم ہوگئی۔ حالانکہ وہ اس بات کو نہیں سمجھتے کہ پرانے علماء اور بزرگ علماء نے بڑی وضاحت سے یہ بات لکھی ہے کہ خاتم کے دو معنے ہیں ایک وہ مہر جو اپنی تصویر بناتی ہے اور ایک وہ تصویر جو مہر سے بنتی ہے۔ آنحضرت ﷺ تصویر بنانے والے ہیں۔ بنی ہوئی تصویر نہیں ہیں وہ مہر نہیں جو لفافے پر نقش ہو جاتی ہے بلکہ وہ مہر ہیں جو نقش بناتی ہے۔ اگر آپ یہ معنی لیں کہ لفافے والی مہر مراد ہے تو **نعوذ بالله من ذالک** انتہائی خطرناک رسول اکرم ﷺ کی گستاخی ہوگئی ہے۔ اس کا مطلب بنے گا کہ انبیاء نے یہ مہر لگائی ہے یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ کو انبیاء نے پیدا کیا ہے اور ان کی تاثیر کے نتیجہ میں محمد رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے ہیں کیونکہ انبیاء کی مہر سے مراد اگر وہ مہر ہے جو لفافے پر نقش ہوگئی تو انبیاء نے بنائی وہ مہر اور اگر وہ مہر مراد ہے جو نقش کرتی ہے تو پھر وہ مہر تو ہمیشہ الگ رہتی ہے اور آزاد رہتی ہے اس نقش سے جو وہ پیدا کرتی ہے اور انبیاء کی مہر سے انبیاء پیدا کرنے والا مراد ہوگی پھر یعنی فاعلی حالت میں آپ اس کے معنی کر سکتے ہیں یا مفعولی حالت میں کر سکتے ہیں۔ اگر آنحضرت ﷺ خاتم ان معنوں میں ہیں کہ آپؐ خاتمیت کی تاثیر رکھنے والے ہیں۔ آپؐ اپنی سیرت کو دوسرے میں منتقل کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں تو مراد یہ ہوگی کہ یہ تو نبی گر ہے۔ ایسی عظیم الشان اس کی تاثیر ہے کہ عام مرد تو کیا انبیاء بھی اس کے سامنے آئیں تو اس کے رنگوں میں مبتلا ہو جائیں اس کے نقوش اختیار کر لیں اور اپنی صورتیں بدل لیں۔ کوئی بھی اہمیت ان کے نزدیک پہلی شکلوں کی باقی نہ رہے اپنے اخلاق کو اخلاق نہ سمجھیں۔ اپنی خوبیوں کو خوبیاں نہ سمجھیں محمد مصطفیٰ ﷺ کے رنگ میں رنگین ہونے کو ہی اپنی زندگی کا سب سے بڑا فخر سمجھیں اور عملاً جو خوبیاں انبیاء میں پائی جاتی ہیں وہ بھی آپؐ کے دائمی نقش سے تعلق رکھنے والی ہیں جو ماضی پر بھی اثر انداز ہوتا ہے اور مستقبل پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔

چنانچہ قرآن کریم نے اس مضمون کے بیان کرنے کے معاً بعد فرمایا وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا یعنی یہ جو مضمون ہے اس کا خدا تعالیٰ کے علم سے گہرا تعلق ہے۔ جب خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ محمد مصطفیٰ ﷺ ہی خاتم الانبیاء ہیں تو وہ ماضی کا علم رکھنے والا بھی خدا ہے اور مستقبل کا علم رکھنے والا خدا ہے۔ جانتا ہے کہ یہ وہ وجود ہے جو اثر قبول نہیں کرتا بلکہ اثر پیدا کرنے والا وجود ہے اور انبیاء کو

بھی گھڑتا ہے۔غیر کا اثر تو غیر کا اثر ہے سب سے زیادہ مؤثر ہستی دنیا میں انبیاء کی ہستی ہوتی ہے جو غیر معاشرے سے متأثر نہیں ہوتے اور معاشرے کو اپنے رنگ میں ڈھالتے ہیں، یہی نبوت کی سب سے بڑی شان ہے اور فرمایا یہ نبیوں کو بھی متاثر کرنے والا ہے۔تو آپ تو اس کے غلام ہیں اور ان معنوں کو سمجھتے ہوئے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے غلام ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا اثر تمام غیر انبیاء پر پڑ سکتا ہے اور غیر انبیاء اپنے اثر کو آنحضرت ﷺ میں جاری نہیں کر سکتے۔

تو آپ کا اثر سب قوموں پر پڑنا چاہئے اور کسی قوم کا اثر آپ پر نہیں پڑنا چاہئے۔ یہ فاتحانہ مضمون ہے جو خاتم کے لفظ میں بیان ہوا ہے اور جس کو نظر انداز کر کے جو ظاہری علماء نے اس کا مفہوم پیش کیا ہے اس کے نتیجہ میں وہ ہر دوسری قوم سے متاثر ہو جائیں گے اور کسی ایک قوم کو بھی متاثر نہیں کر سکیں گے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کو نبیوں کی وہ مہر قرار دے رہے ہیں جو نبی گویا لگا دیتے ہیں، مفعولی حالت ہے۔ نبی بنانے والی مہر یا نبیوں کا اثر قبول کرنے والی مہر یہی تو فیصلہ کن بات ہے ساری۔ پس ہم جس مہر کے قائل ہیں جس خاتم کے قائل ہیں وہ ایسا خاتم ہے جو اپنی صفات کو اپنے اخلاق کو اپنے کردار کو دوسروں میں جاری کرنے کی اہلیت رکھتا ہے اور ان کی صفات اور ان کے اخلاق اور ان کے کردار کو یکسر بدلنے کی اہلیت رکھتا ہے۔تو اس پہلو سے جب آپ دوبارہ اس آیت کو پڑھیں تو مراد یہ ہوگی۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ تم کون سے مرد لئے پھرتے ہو کہ جن کا باپ نہیں تم ایسے مرد ہو کو اپنی اولادوں میں بھی اپنے نقوش جاری نہیں کر سکتے۔عتبہ کی بھی جو اولاد ہوگی اس پر بھی محمد مصطفیٰ ﷺ کا رنگ غالب آنے والا ہے اور شیبہ کی جو اولاد ہوگی اس پر بھی محمد مصطفیٰ ﷺ کا رنگ غالب آنے والا ہے اور ابوجہل کی جو اولاد ہوگی اس پر بھی محمد مصطفیٰ ﷺ کا رنگ غالب آنے والا ہے اور ولید کی جو اولاد ہوگی اس پر بھی محمد مصطفیٰ ﷺ کا رنگ غالب آنے والا ہے۔ یہ تو نبیوں کا باپ ہے تمہارے جیسے مردوں کی حیثیت کیا ہے کہ اس کے ساتھ مقابلہ کرو اور اس کی تہذیب پر غالب آنے کی کوشش کرو۔

یہ ہے رَجُل کا مفہوم جس میں رجولیت پائی جاتی ہے۔ غیر معمولی عظیم الشان قوت مؤثرہ پائی جاتی ہے۔اس پہلو سے احمدیوں کا زندہ رہنا ہے۔اگر آپ حقیقۃً آنحضرت ﷺ کا یہ مقام سمجھ

چکے ہیں اور اسی مقام کو سمجھنے کے نتیجہ میں آپ کو قتل کیا جارہا ہے، آپ کا خون بہایا جارہا ہے، آپ کو قیدوں میں پھینکا جارہا ہے، آپ کے اموال لوٹے جارہے ہیں، آپ کو حقوق سے محروم کیا جارہا ہے۔ تو اس مقام کو سمجھ کر اس کی قیمت تو وصول کریں۔ کیسا نقصان کا سودا ہوگا کہ اس وجہ سے آپ کو دکھ دیئے جائیں اور آپ کا پاس جو کچھ ہے وہ لوٹ لیا جائے کہ آپ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو تمام انبیاء سے بڑھ کر غالب اثر رکھنے والا یقین کرتے تھے اور یہی آپ کا ایمان تھا اور آپ اپنی ذات میں اس مضمون کو بھول جائیں اور غیر انبیاء کی قوموں سے اثر قبول کرنے لگ جائیں۔ ہر غیر نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے زیر نگیں آنے والا ہے اور ہر غیر نبی کی قوم آنحضرت ﷺ کی قوم کے زیر نگیں آنے والی ہے۔ یہ ہے خاتمیت کا پیغام جو آپ کو دیا گیا اور اس پیغام کی خاطر آپ نے بے انتہاء قربانیاں دی ہیں اور دیتے چلے جائیں گے۔ اس کے فوائد سے کیوں محروم رہتے ہیں، کیوں اپنے آپ کو مغلوب بنا لیتے ہیں، کیوں آپ اپنے آپ کو متاثر کر لیتے ہیں، کیوں آپ کی عورتیں بھی یہ میدان چھوڑ دیتی ہیں اور آپ کے مرد بھی یہ میدان چھوڑ دیتے ہیں؟

برقع کے مضمون میں محض عورتوں کا قصور نہیں ہے۔ مردوں نے خاتمیت کے مضمون کو بھلایا ہے تو عورتوں نے یہ حرکتیں کی ہیں۔ مرد اگر مؤثر رہتے تو ممکن نہیں تھا کہ ان کی عورتیں بے پرواہی کرتیں اور بے راہ روی اختیار کرتیں یا دوسری تہذیبوں سے مغلوب ہو جاتیں اور ان کے سامنے آنکھیں جھکا لیتیں۔ آپ کو سر اٹھا کر چلنا چاہئے تھا اور اس شان کے ساتھ سر اٹھا کر چلنا چاہئے تھا کہ آپ بتاتے دنیا کو اور دکھاتے کہ آپ کی قدریں غالب قدریں ہیں آپ کے پاس جو کچھ ہے یہی اعلیٰ ہے اور یہی اس بات کا مستحق کرتا ہے آپ کو کہ آپ شان کے ساتھ سر اٹھا کر چلیں لیکن آنحضرت ﷺ کی تہذیب کو لے کر چوروں کی طرح سر جھکا کر اور جسم بچا کر چلنے لگ جائیں اور شرما کر ان کی گلیوں سے گزریں تو یہ کیسے آپ کا اثر قبول کریں گے۔

اپنی تہذیب کی قدروں کو سمجھیں ان پر غور کریں اور سمجھیں کہ آپ کی فلاح بھی اسی میں مضمر ہے اور آپ کے دل کا سکون بھی اسی میں مضمر ہے اور ان قوموں کی جو خیر آپ سے وابستہ ہے وہ اسی صورت میں ان کو نصیب ہوگی اگر آپ پوری طرح کامل اطمینان کے ساتھ اپنی تہذیب پر یقین رکھیں گے اور اپنے اعمال میں اس یقین کو دکھائیں گے اور ثابت کریں گے کہ آپ کو خاتم کے غلام کے طور پر زندہ

رہنا ہے اور آنحضرت ﷺ کے مقابل پر ہر دوسری قوم پر آپ کی قوم کے غلبے کو ثابت کر کے دکھانا ہے۔

یہ وہ مضمون ہے تربیت کا جس میں آج اسلام کی زندگی اور موت کا سوال ہے۔ محاورۃً ہم کہتے ہیں کہ زندگی اور موت کا سوال ہے عملاً تو زندگی ہی کا سوال ہے اسلام کے لئے اور آنحضرت ﷺ کو خدا تعالیٰ نے جو یہ خوش خبریاں دی ہیں کہ لازماً اسلام غالب آئے گا۔ یہ ضرور ہو کر رہے گا، اس میں کوئی شک نہیں لیکن سوال اتنا اہم ہے کہ اسے زندگی اور موت کا سوال کہا جا سکتا ہے۔ ان معنوں میں کہ جو لوگ اس سوال کی اہمیت کو نہیں سمجھیں گے وہ خشک شاخوں میں تبدیل ہو جائیں گے۔ ان کے اثرات مٹ جائیں گے۔ غیر قومیں ان پر غالب آ جائیں گی اور ان کی نسلیں ان کے دیکھتے دیکھتے ان کے ہاتھوں سے نکل جائیں گی۔ پھر حسرت کے ساتھ وہ وقت یاد کریں گے کہ جب وہ اثر کر سکتے تھے اور اثر کرنے سے محروم رہے۔

پس پردہ ہو یا دیگر اخلاقی تقاضے ہوں یا تمدنی تقاضے ہوں ان کو آپ معمولی نہ سمجھیں۔ یہی وہ میدان ہے جہاں پہلی فتح اور شکست کا فیصلہ ہوگا۔ اگر اس میدان کو آپ نے مار لیا تو یقیناً آپ یہ امید رکھنے کے اہل ہیں کہ آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ آپ اس قوم پر غالب آ جائیں گے۔ اگر اس میدان سے آپ بھاگ گئے تو یہ پیٹھ دکھانے والے پھر کبھی فتح کا منہ نہیں دیکھیں گے۔ یہ ایک ایسی تقدیر ہے جسے دنیا کی کوئی طاقت بدل نہیں سکتی، یہ ایک ایسا قانون ہے جو سنت اللہ کا مقام رکھتا ہے۔

اس لئے آنحضرت ﷺ کی خاتمیت کا حق ادا کریں آپ ہی ہیں تحفظ ختم نبوت کے پاسبان۔ آپ ہی ہیں جنہوں نے خاتمیت کے حقیقی مضمون، اس کی روح کی حفاظت کرنی ہے۔ اس غرض سے آپ دنیا کی قوموں میں نکلیں۔ اس غرض سے آپ اسلام کے سفیر بنائے گئے ہیں۔ اس لئے اس کی اہمیت کو سمجھیں اور یاد دلاتے رہیں ایک دوسرے کو اور اپنی خواتین کو بھی بتائیں کہ یہ معمولی باتیں نہیں ہیں۔ اگر ان کو نظر انداز کریں گی تو غیروں کو بچانے کا کیا سوال اپنی اولاد کو اپنی آنکھوں کے سامنے ہلاک ہوتے دیکھیں گی اور کوئی نہیں پھر ان کو جو بچا سکے گا۔ خدا کا قانون ان معاملات میں ہرگز رعایت نہیں کیا کرتا۔ نوح کے بیٹے کو یاد کریں جو خدا کے پیارے انبیاء میں ایک عظیم مقام رکھتا تھا، کس طرح اس کی آنکھوں کے سامنے اس کا بیٹا ہلاک ہوا اور کس طرح خدا تعالیٰ نے اس کی دعا کو قبول کرنے کی بجائے اس کی سرزنش فرمائی کہ دیکھ یہ جاہلوں والی باتیں نہ کر یہ تیرا بیٹا نہیں ہے کیونکہ

تیرے اعلیٰ اخلاق سے عاری ہے، تیری صفات حسنہ اس میں موجود نہیں ۔ بیٹا تو وہ ہوتا ہے جو باپ کا اثر قبول کرے جو باپ کی خاتمیت کا نقش ہو۔

پس آپ کو خاتم بننا ہے۔ان معنوں میں بھی خاتم بننا ہے۔آپ کی اولاد نے اگر آپ کا نقش قبول کر لیا تو پھر آپ باپ بننے کے اہل ہیں ورنہ اگر آپ کا قصور ہے تو آپ پکڑے جائیں گے اور اگر اولاد کا قصور ہے تو اولاد پکڑی جائے گی۔اس لئے کم سے کم اپنا دامن تو بچائیں ۔حضرت نوحؑ کے معاملے میں ہم یقین رکھتے ہیں کہ حضرت نوحؑ کا قصور نہیں تھا۔آپ خاتم ہی تھے اپنے چھوٹے دائرے میں لیکن یہ اولاد کی بدقسمتی تھی لیکن ایسے واقعات اتفاقی ہیں اور قرآن کریم نے جو تاریخ انبیاء کی محفوظ کی ہے اس میں خوف کا پہلو کم ہے اور امید کا پہلو بہت غالب ہے۔اس ایک مثال کے مقابل پر بکثرت ایسے انبیاء کی مثالیں دیں جن کی نیکیاں ان کی اولادوں میں بڑی شان کے ساتھ اور بڑے وفور اور جذبہ کے ساتھ جاری ہوئیں یہاں تک کہ نبیوں کی اولاد در اولاد نبی بنتی رہی۔تو خدا تعالیٰ نے مایوس کرنے کے لئے یہ خبر نہیں دی نہ حضرت نوحؑ کو نعوذ باللہ متہم کرنے کے لئے یہ خبر دی ہے بلکہ یہ بتایا ہے کہ خاتمیت اپنے اپنے دائرہ میں اثر دکھانے کے لئے پیدا کی گئی ہے اور حقیقت میں بیٹا اور باپ کا تعلق خاتمیت اور مختومیت کا تعلق ہے۔اگر تم اس لائق ہو کہ اپنی اولاد میں اپنی صفات جاری کر دو، نیک صفات تو بہت محنت کا کام ہے اس میں کوئی شک نہیں لیکن پھر تم مرد کہلانے کے مستحق ہو گے اور نیک خواتین کہلانے کی مستحق ہو گی اگر تم ایسا کرو گی تو پھر یہ حدیث تمہارے متعلق ضرور پوری آئے گی کہ ماؤں کے قدموں کے نیچے اولاد کے لئے جنت ہے۔کتنی عظیم الشان تمنا کتنی عظیم الشان توقع ہے جو آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کی خواتین سے وابستہ فرمائی ہے کبھی یہ بھی تو سوچیں ۔اتنا پیارا کلام ہے، ایسا محبت کا کلام ہے،ایسی نیک ظنی ہے امت محمدیہ کی خواتین پر کہ نگاہ پڑتی ہے تو رشک آتا ہے کہ کیسی مقدس خواتین ہیں جن کے متعلق محمد مصطفیٰ ﷺ نے یہ الفاظ فرمائے کہ آئندہ آنے والی نسلیں خواہ مرد ہوں خواہ عورتیں ہوں، اپنی ماؤں کے پاؤں سے جنت حاصل کریں ۔کتنی بدقسمتی ہو گی کہ آپ کی اولادیں آپ کے پاؤں سے جنت لینے کی بجائے جہنم لینے والی ہوں۔

پس آپ پر ایک بہت ہی عظیم ذمہ داری عائد ہوتی ہے دعائیں کریں اور کوشش کریں اور ایک دوسرے کو نصیحت کرتی چلی جائیں لیکن تکبر کی نصیحت نہ ہو،طعن و تشنیع کی نصیحت نہ ہو بلکہ

ہمدردی کی ہوا ایسی ہمدردی کی کہ آپ کا دل زخمی ہوا ان کے لئے پھر آپ ضرور دیکھیں گی کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ نصیحت ضرور اثر دکھائے گی اور مرد بھی اگر خاتم بن کر زندہ رہیں گے اور جبر اور سختی کے ساتھ نہیں بلکہ گہرے دلی جذبے کے ساتھ خواتین پر رحمت کا ہاتھ رکھتے ہوئے ان کی تربیت کی کوشش کریں گے تو یقیناً اللہ تعالیٰ آپ کو بھی اپنے اپنے دائرہ میں خاتم بنادے گا اور یہی حقیقی مضمون ہے خاتمیت کا کہ دیکھو جس طرح محمد مصطفیٰ ﷺ کو کل عالم میں سب سے بہترین وجودوں کا خاتم بنایا گیا اگر اس وجود کی طرف تم منسوب ہونے کا دعویٰ کرتے ہو تو تم بھی اپنے اپنے دائرہ میں خاتم بن کر زندہ رہو یہی حقیقی زندگی ہے اس کے سوا کوئی زندگی زندگی کہلانے کی مستحق نہیں ہے۔

خطبہ ثانیہ کے دوران حضور نے فرمایا:

خطبات میں اردو میں اس لئے دیتا ہوں کہ اکثر احمدی ایسے ملک سے تعلق رکھتے ہیں جن کی زبان اردو ہے اور براہ راست میری زبان سے خطبات سننے کی ان کی خواہش بھی ہے اور ان دنوں خصوصیت سے حق بھی ہے لیکن ساتھ ہی میں ہمیشہ تاکید کرتا ہوں کہ ان دوستوں کے لئے ترجمہ کی انتظام ہونا چاہئے جو اردو نہیں سمجھ سکتے اس سلسلے میں یہاں کچھ کوتاہی ہوئی ہے۔ ایسے احمدی احباب ہمارے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں جن کو اردو نہیں آتی اور بڑے صبر اور خاموشی کے ساتھ خدا کی رضا کی خاطر اس مجلس میں بیٹھے رہے لیکن ایک لفظ بھی نہیں سمجھ سکے۔ تو آئندہ جو ایک خطبہ یہاں ہوگا ٹورنٹو، کینیڈا میں امیر صاحب کو چاہئے کہ خواہ دو آدمی بھی ہوں یا ایک بھی ہو اس کے لئے بھی ان کو ترجمہ کا انتظام کرنا چاہئے جیسا کہ انگلستان میں ہوتا ہے۔ ہر وہ خطاب جو اردو میں ہو اس کا انگریزی میں ترجمہ کا نہایت ہی مؤثر انتظام وہاں کی جماعت کرتی ہے اور اللہ کے فضل کے ساتھ بڑی محنت کے ساتھ اس طرف توجہ کر رہی ہے۔ تو کینیڈا کی جماعت کو بھی یہ چاہئے کہ عام مجالس میں جہاں غیر ایسے شامل ہوں جن کو اردو نہیں آتی وہاں خواہ وہ عمومی خطاب ہو یا چند آدمیوں کی مجلس ہو وہاں حتی المقدور وہ زبان بولیں جو سب کو آتی ہو۔ ورنہ بہت سارے احمدی احباب جو نئے احمدی بنتے ہیں وہ اس وجہ سے ہی ٹھوکر کھا کر پیچھے ہٹ جاتے ہیں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ احمدیت گویا پاکستانی معاشرے کا نام ہے اور یہ لوگ اپنی زبان میں مگن ہو جاتے ہیں اور ہماری پرواہ نہیں کرتے۔ تو اس لئے بھی ضروری ہے لیکن اگر ایسی زبان ممکن نہ ہو،

ایک سے زیادہ Multiple Society ہے، Multi-Racial یا Multi-Lingual society ہے انتظام جہاں آپ بیٹھے ہوئے ہیں تو حتی المقدور ایسی زبان استعمال کرنی چاہیئے جو زیادہ کو سمجھ آرہی ہو اور اگر ممکن ہو اور جماعتی صورتوں میں ایسا انتظام ممکن ہے تو پھر ترجمہ کا انتظام ہونا چاہیئے اور آئندہ امید ہے اس امر کو آپ اپنی روزمرہ کی زندگی میں بھی یاد رکھیں گے اور انتظامی، جماعتی امور میں خصوصیت کے ساتھ پیش نظر رکھیں گے۔